© rasailojaraid.com

فیصل

فقید الاسلام والمسلمین

خلیل حامدی صاحب

شاہ فیصل کی شہادت ملتِ اسلامی کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس سانحہ کی شدت وسنگینی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ حالات نہ سمجھ لیے جائیں جن میں شاہ فیصل نے مسلمانوں کے ایک رہنما کی حیثیت سے زمام کار ہاتھ میں لی اور پھر ان خدمات پر بھی نظر نہ ڈال لی جائے جو انہوں نے سعودی عرب کے اندر اور سعودی عرب کے باہر انجام دیں۔ ذیل کا مضمون انہی دونوں پہلوؤں کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

فیصل ایک ایسی سرزمین کا حکمران تھا جس کے ساتھ دنیا کے ۸۰ کروڑ مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کے گہرے رشتے استوار ہیں۔ اور جہاں کی ہر بات دنیا بھر کے مسلمانوں پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے فیصل کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ ایک عام مسلمان حکمران کی شخصیت اور خدمات کے جائزے سے مختلف ہو جاتا ہے فیصل فرمانروائی کی مسند پر متمکن ہونے سے پہلے جو کچھ بھی تھے اُس سے ہم تعرّض کرنے کے بجائے اُن کے اُس دَور پر گفتگو محدود رکھیں گے جب وہ مکمل اختیارات کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن کی شخصیت کو مسلمانوں کے لیے وجہِ کشش بنانے کا وہی دور ہے جب وہ ولی عہد کی بجائے بادشاہ تھے۔

موجودہ تہذیبی نظریات انسان کی شخصی زندگی اور اجتماعی زندگی میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ تفریق اس لحاظ سے غیر فطری اور غیر معقول ہے کہ ایک انسان جس سیرت وکردار اور فکر ونگاہ کا مالک ہوگا وہ اس کی زندگی کے دونوں حصوں پر چھاپ لگائے گی۔ لہذا اگر ہم فیصل کی اجتماعی زندگی سے پیشتر ان کی انفرادی زندگی کا بھی مطالعہ کرلیں تو اُن کی تصویر مکمل سامنے آجائے گی۔

ذاتی حالات مرحوم کی ذاتی تربیت وتعلیم میں ان کے والد سلطان عبدالعزیز کا بڑا ہاتھ ہے۔ فکر وعقیدے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحاظ سے وہ اسلام کو اُسی طرح ایک مکمل اور ہمہ گیر دین سمجھتے تھے جس طرح اُن کے بزرگ رہنماؤں نے جزیرۃ العرب میں اسلام کو زندہ اور برپا کیا تھا۔ اپنے خاندان کی عظمت وشوکت کا راز بھی اسلام ہی کو قرار دیتے تھے۔ ۱۹۶۹ء کی بات ہے کہ رابطۂ عالمِ اسلامی کا ایک منتخب وفد جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، الحاج محمد امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین مرحوم اور شیخ عبداللہ قلقیلی مرحوم مفتی اردن پر مشتمل تھا شاہ نے ملاقات کے لیے طلب کیا۔ اس ملاقات میں انہوں نے بار بار اس امر کا اعادہ کیا کہ آلِ سعود کو آج جو کچھ حیثیت حاصل ہے وہ ان خدمات کی بنا پر ہے جو اس خاندان نے اسلام کی سربلندی کی خاطر انجام دی ہیں۔ اگر یہ خاندان اسلام سے اپنا رشتہ کمزور کرے گا تو اس کا تمام وقار خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات وہ اپنی نجی محفلوں اور خاندانی اجتماعات میں بکثرت کہتے رہتے تھے۔ چند ماہ بیشتر جب اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے تمام ذمہ دار شہزادوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ ہمارے اقتدار کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک اسلام اور دوسرے باہمی اتحاد۔ ان دونوں کو نظر انداز کرنے کے بعد سعودی خاندان زوال سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔

پچھلے سال سے یورپ کے قانون دانوں اور سعودی علما اور قاضیوں کے درمیان اسلام کے مختلف موضوعات پر مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اب تک پانچ ایسی محفلیں ریاض اور یورپ کے مختلف شہروں میں منعقد ہو چکی ہیں۔ سعودی وفد کے سربراہ وہاں کے وزیرِ عدل ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شاہ نے تاکید کر رکھی ہے کہ ہم حکمت اور موعظت حسنہ کے اصول کے تحت یورپ پر اسلامی شریعت کی برتری ثابت کریں اور بتائیں کہ اسلامی قانون کی حقانیت اور برتری کی دلیل یہ ہے کہ یہ منزّل من اللہ ہے۔ اسلام سے یہ گہری محبت موصوف کی زندگی میں صاف جھلکتی نظر آتی تھی۔ شب خیزی، تہجد گزاری اور سجدوں کے اندر طویل لمحات تک بدیدۂ اشکبار خدا کے حضور گڑگڑانا ان کا معمول تھا۔ راقم نے انہیں ایک مرتبہ بڑا طویل سجدہ کرتے دیکھا تو اُن کے ایک ہمہ وقتی رفیق کے سامنے اس بات کی تحسین کی۔ وہ کہنے لگا سلطان عبدالعزیز مرحوم نے دعاؤں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا فیصل یہ تمام دعائیں ایک لمبے سجدے میں روزانہ دہراتے ہیں۔ "ان شاء اللہ" ان کا تکیۂ کلام تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اُن کی ایک مطبوعہ تقریر میں ایک سطر کے اندر گن کر دیکھا تو پانچ مرتبہ یہ کلمہ دہرایا ہوا پایا۔ خوشامد سے وہ بہت ناخوش ہوتے تھے۔ بادشاہی نظام ہو یا جمہوری نظام خوشامد اور نفاق کے جال سے اہلِ اقتدار کا بچ نکلنا قریب قریب محال ہوتا ہے۔ ۱۹۶۴ء کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کے موقع پر شاہ فیصل کی بھری مجلس میں ایک صاحب نے باواز بلند کہا کہ "اے اللہ! اسلام کو فیصل کے ذریعے عزت بخش"۔ مرحوم اس فقرے پر بہت چیں بجبیں ہوئے اور فوراً ٹوکتے ہوئے کہا "فیصل اسلام کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محتاج ہے۔ اسلام فیصل کا محتاج نہیں ہے۔" وہ صاحب بہت کھسیانے ہوئے۔ سعودی عرب کے اندر مختلف تعمیراتی منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچتے رہتے تھے۔ اہل خوشامد کوشش کرتے رہتے تھے کہ ان منصوبوں کو شاہ فیصل کے نام سے موسوم کریں۔ مگر شاہ ہمیشہ طرح دے جاتے اور ایسے لوگوں کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ جدہ کی بحری بندرگاہ مکمل ہوئی۔ تو اس کا افتتاح شاہ مرحوم سے کروایا گیا۔ اس تقریب میں راقم اور چوہدری رحمت الٰہی صاحب بھی موجود تھے۔ سپاس نامہ پیش کرنے والے نے تجویز کیا کہ اس بندرگاہ کا نام میناد الملک فیصل (بندرگاہ شاہ فیصل) ہوگا۔ شاہ نے جب سپاس نامے کا جواب دیا تو کہا: اگر بندرگاہ کسی شخص کے نام سے منسوب ہونا ضروری ہے تو وہ شخص فیصل کے بجائے سلطان عبدالعزیز مرحوم ہونے چاہئیں۔ لیکن مجھے شخصیت پرستی پسند نہیں ہے ۔۔۔ یہ بندرگاہ حاجیوں کے لیے بنائی گئی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں آکر اترتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کا نام "اسلامی بندرگاہ" ہو۔ چنانچہ اس کے بعد بندرگاہ جدّہ کا سرکاری نام اسلامی بندرگاہ رکھا گیا۔

شاہ مرحوم کی زندگی منکرات سے پاک تھی۔ غرور و تکبر سے محفوظ تھے۔ خاندانی روایات اور اسلامی آداب کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہمارے دیرینہ دوست ہیں اور مولانا مودودی مدظلہ العالی کے بڑے مدّاح ہیں۔ فیصل ایک مرتبہ راقم کی موجودگی میں وہاں آئے۔ اور آتے ہی اپنے چچا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پھر اس قدر تواضع، انکساری، احترام و تکریم کے ساتھ ان کے پاس بیٹھ گئے گویا استاد شاگرد کے سامنے دوزانو بیٹھا ہے۔ بلکہ صحیح الفاظ میں لائق بیٹا اپنے محترم باپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اپنی معمر پھوپھی کے ہاں وہ ہمیشہ عیدین کے موقع پر مبارکبادی کے لیے جاتے اور احتراماً پیدل جاتے۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں مجھے اور محترم میاں طفیل محمد صاحب کو ان کے ساتھ مل کر کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ راقم نے ان کے کھانے کا جو انداز دیکھا ہے وہ ایسا اثر انگیز تھا کہ جب بھی راقم کھانا کھاتا ہے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے نہایت وقار اور متانت سے کھانا کھایا۔ ان کا چہرہ اور ہاتھوں کی حرکت بتا رہی تھی کہ وہ کھانے کو فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر بڑے شکر و امتنان کی کیفیت کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کھانے کے ایک ایک ذرّے کا انہوں نے احترام کیا۔ رکابی کو اس طرح صاف کیا کہ ایک ذرّہ بھی اس میں باقی نہ رہنے دیا۔ سیب کھانے کے لیے اسے خود ہی چھری سے چھیلنے لگے۔ اور اس کا اس قدر باریک چھلکا اتارا کہ گودے کا ایک معمولی جز بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ کاٹتے وقت ایک قاش نیچے گر گئی۔ اسے جھک کر اٹھانے لگے تو خادم نے فوراً لپک کر انہیں تھما دی۔ اور اسے بسم اللہ کرکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھالیا۔ کھانے کے برتن، فرنیچر اور کمرے کی سادگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جس کمرے میں وہ مجلس لگاتے ہیں وہاں اُن کی نشست کی سامنے والی دیوار پر یہ عبارت تحریر ہے کہ " لو دامت لغیرك لما اتصلت الیك " (اگر حکومت تیرے پیشرو کے پاس ہمیشہ رہتی تو تجھ تک نہ پہنچتی) دوسرے لفظوں میں یہ حکومت تیرے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ شاہ کے چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمان جو ایک معمر بزرگ ہیں وہ ہمیشہ فیصل کو "الملک المؤمن" (مومن بادشاہ) کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بتاتے کہ شاہ ان دنوں مولانا مودودی کا ذکر اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں موجودہ مسلمان نسل کے لیے بڑا مفید سمجھتے ہیں۔ شاہ شہید کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ نصیحت کو سنتے تھے اور مخلص ناصحین کی قدر کرتے تھے۔ تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ مولانا مودودی مدظلہ العالی کو معلوم ہوا کہ تبت کے مسلم مہاجرین کے دس خاندان عرب ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور انہیں کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے مولانا محترم نے فوراً شاہ فیصل کو ایک خط لکھا جس میں شاہ کو قدرے سخت لہجے میں متنبہ کیا اور کہا کہ حجاز دنیا بھر کے مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے۔ اس لیے تبت کے مسلمانوں کو بھی حجاز میں اُن شرائط کے تحت آباد کیا جائے جن کے تحت بخارا اور سمرقند کے مہاجرین وہاں رہ رہے ہیں۔ چنانچہ شاہ نے اس خط پر فوراً عملدرآمد کیا اور تبتی خاندانوں کو جو اُس وقت اُردن میں لاوارث پڑے تھے سعودی عرب بلوایا اور طائف میں آباد کیا۔ اور مولانا محترم کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ایک فرض کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہ ایک مثال میں نے بطور نمونہ درج کر دی ہے۔ ورنہ ایسی بہت سی مثالیں راقم کے ذاتی علم میں ہیں۔

خدمتِ ملک وقوم شاہ فیصل کی حکمرانی کا پہلو دنیا کے مدبرین سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اپنے ملک کے اندر انہوں نے بڑے بڑے عظیم کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ دولت کی فراوانی ان کے لیے ایک مسئلہ تھی۔ مگر انہوں نے اپنے ملک اور عوام کی بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت کو صرف کیا۔ تعلیم، علاج اور مواصلات ان کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے۔ سعودی عرب کی آبادی ۷۰ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر سعودی عرب کے اندر اس وقت پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، دوسری امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض، تیسری کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، چوتھی ریاض یونیورسٹی اور پانچویں پٹرولیم یونیورسٹی (پٹرولیم کالج کو ۱۹۷۵ء میں یونیورسٹی کی حیثیت دے دی گئی ہے) اور اب ایک چھٹی یونیورسٹی کے قیام کی تیاریاں ہو رہی ہیں یعنی خواتین کی یونیورسٹی۔ سڑکوں کا جو جال انہوں نے بچھا دیا ہے وہ نہایت حیرت انگیز چیز ہے۔ طویل و عریض صحراؤں کو چیر کر مشرق کو مغرب سے اور شمال کو جنوب سے ملا دیا ہے۔ اسپتالوں کی تعداد بھی بہت زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ کوئی ایسا قریہ نہ ہوگا جسے طبی امداد فراہم نہ کی جاتی ہو۔ یہی حال اسکولوں کے قیام کا ہے۔ اب وہ زراعت پر بھی خصوصی توجہ دے رہے تھے اور کاشتکاروں کی ہر گونہ حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

اسلامی میدان میں شاہ فیصل کے والد عبدالعزیز ابن سعود کی جانفشانیوں سے دنیا واقف ہے۔ شاہ فیصل نے بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی غیر معمولی کوشش کی ہے۔ شاہ فیصل کے سامنے مشکلات بے حد تھیں۔ پٹرول کے بعد دولت و ثروت کی بارش ہونے لگی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی عروج پر پہنچ گئی اور دولت مند ملک اُس سے زیادہ متاثر ہونے لگے۔ مواصلات کی سہولتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ دنیا کے کسی حصّہ سے رابطہ رکھنا دشوار نہ رہا۔ بلکہ مواصلات نے دنیا کو ایک ایسا مربوط سمندر بنا کر رکھ دیا کہ ایک طرف اگر کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے تو فوراً دوسری طرف اُس کی لہریں پہنچ جاتی ہیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے سعودی عرب اپنی مالی خوشحالی کی بدولت جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اختراعات سے مستفید ہو رہا تھا وہاں موجودہ تہذیبی و تمدّنی مفاسد اور تخریبی نظریات کی یلغار کا بھی وہ نشانہ بن چکا تھا۔ ایسے زبردست چیلنج کے سامنے سعودی عرب کے اندر اسلامی طرزِ حیات کو باقی رکھنا آسان نہیں تھا۔ فیصل کا پورا دورِ بادشاہت (نومبر ۱۹۶۴ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء) اسی کشمکش اور مجاہدے میں گزرا ہے۔ ایک طرف بگاڑ کی قوتیں ملک و معاشرے کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتی تھیں اور دوسری طرف فیصل اپنے عقیدہ و ضمیر اور آبائی مسلک کی رُو سے ان قوتوں کے سامنے ایک چٹان بنا ہوا تھا۔ اور افسوس یہ ہے کہ اس چٹان کو اب پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ فیصل نے سعودی معاشرے کی اسلامی حیثیت کی بقا کی جدوجہد کی۔ امن و امان کی سابقہ روایات جو مرحوم ابن سعود کے عہد سے چلی آ رہی تھیں برقرار رکھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اچھے سے اچھا انتظام کیا۔ عریانی اور بے پردگی کو روکا۔ اسلامی قوانین کے اجراء میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور اب فیصل نے ریاض میں اسلامی قانون کی اعلیٰ تعلیم کا ادارہ بھی قائم کر دیا تھا۔ جس کا نام ہے (معہد القضا العالی) اس کا سربراہ ایک ایسے شخص کو بنایا جو نہ صرف قانون و قضا کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ وہ اسلام کا وہ انقلابی تصوّر رکھتا ہے جو عہدِ حاضر کی اسلامی تحریک کا پیش کردہ ہے۔ ان کا نام شیخ مناع القطان ہے جو مصر میں حسن البنّا کے سکرٹری تھے۔ شیخ مناع نے راقم کو بتایا کہ مخالف عناصر نے فیصل کے پاس جا کر میرے بارے میں طرح طرح کی شکایات کیں۔ اور یہ کوشش کی کہ اس ادارے سے مجھے نکلوا دیا جائے۔ مگر فیصل سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے اُن کے علم و اخلاص اور فہم و بصیرت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ نظامِ قضا میں بھی تبدیلی کی جائے۔ حرمین شریفین کی توسیع و تعمیر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں سعودی حکومت نے جس فراخدلی اور اسلام سے محبت و وابستگی کا جو ثبوت دیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں نہیں ہے۔

شاہ فیصل آج سے ۱۱ سال پیشتر جب برسرِ اقتدار آئے تھے تو حجاج کی تعداد ۸ لاکھ کے لگ بھگ تھی اور اب یہ تعداد ۱۵ اور ۱۶ لاکھ تک متجاوز کر چکی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حرمین کی توسیع و تعمیر کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اور اربوں ریال صرف کیے جا رہے ہیں۔ شاہ فیصل نے شہادت سے صرف دو روز قبل حج کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے پچاس کروڑ ریال کی منظوری دی تھی۔

تحریکِ اتحادِ اسلامی | ملّتِ اسلامی کے حق میں فیصل کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ملّی اتحاد مسلمانوں کا پُرانا خواب ہے۔ عثمانیوں کے زوال کے بعد ملّتِ اسلامی یک بیک تتر بتر ہو گئی۔ جمال الدین افغانی مرحوم اتحادِ ملّت کی دعوت لے کر اُٹھے۔ لیکن تھک ہار کر رہ گئے۔ علامہ اقبال مرحوم بھی اس آرزو کو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر قومیتوں نے سر اُٹھایا۔ اور ایک عرصۂ دراز تک عرب اور غیر عرب قومیں استعماری سازش کے تحت قوم پرستی کی راہ پر گامزن رہیں۔ اور آخر کار فیصل ۱۹۶۴ء میں بادشاہت کی مسند پر متمکن ہوئے اور چند ماہ بعد ۱۹۶۵ء میں مکہ معظمہ میں ایک کانفرنس رابطۂ عالمِ اسلامی کی وساطت سے بُلائی اور اُس میں فیصل نے پہلی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ وہ دنیائے اسلام کو متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد انہوں نے سرکاری سطح پر بھی اور عوامی پیمانے پر بھی "تضامن اسلامی" کے عنوان سے اتحادِ اسلامی کی تحریک کو نہایت ہمت و عزم اور حکمت و تدبر کے ساتھ چلایا۔ یہ وہ دَور تھا جب ایک طرف جمال عبد الناصر نے عرب قومیت اور اشتراکیت دونوں کا علم بلند کر رکھا تھا اور پروپیگنڈے کی مشینری کے ذریعہ ان دونوں اُمور پر عرب ممالک میں طوفان رستاخیز برپا کر رکھا تھا۔ اور دوسری جانب شام کی بعث پارٹی نے اسی سے ملتی جلتی ایک تحریک بعث ازم کے نام سے شام اور عراق میں چلا رکھی تھی۔ مصر کی مجبور و پابند صحافت اور بے سروت کی ناجرانہ صحافت اور عرب ممالک کے اشتراکی اور مُلحد اخبارات و رسائل اور پیشہ ور اہلِ قلم دونوں محاذوں کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق کمک بہم پہنچا رہے تھے۔ یہ تاریک و حوصلہ شکن حالات اسلام کے نام پر کسی تحریک کا کیسے خیر مقدم کر سکتے تھے۔ مگر یہ فیصل کی جرأت رندانہ تھی کہ اُس نے مخالف تحریکوں کے مقابلے میں اتحادِ اسلامی کی تحریک برپا کر دی۔ راقم کو یاد ہے کہ اُس زمانے میں عرب پریس اور بالخصوص اشتراکی پریس نے فیصل پر بڑی پھبتیاں کسیں۔ اور سب و شتم سے بھرپور لٹریچر اُن کے خلاف تیار کر ڈالا گیا۔ اور اتحادِ اسلامی کی تحریک کو کبھی "یہودیوں کی تحریک" اور "سامراجی سازش" اور کبھی "باسی کڑھی کا اُبال" کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] احوں سے یاد کیا گیا۔ اور فیصل کے اعصاب کو مضمحل کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر فیصل لوہے کا چنا ثابت ہوا۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں حج کے موقع پر شاہ نے ممتاز حجاج اور حج کے سرکاری وفود کے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے ان مخالفانہ کوششوں کی طرف اشارہ کیا اور پھر حلم و سنجیدگی سے بھرے ہوئے لہجہ میں تمام مخالفین کو واشگاف الفاظ میں کہا: "ان نتخاذل عن مسیرتنا دونہ خرط القتاد" (ہم اپنی تحریک سے باز آجائیں۔ ایں خیال است و محال است و جنوں)۔ شاہ کے یہ الفاظ ایمان و عزم کا ایک نعرہ مستانہ تھے۔ ادبی لحاظ سے بھی ان الفاظ کی رفعت و ساخت شاہ کے ذوق بلند کی غمازی کر رہی تھی۔ مخالفین کو اندازہ ہو گیا کہ ان کا پالا کسی روایاتی بادشاہ سے نہیں بلکہ مرد آہن سے ہے۔ الغرض شاہ فیصل شدید کشاکش اور تند و تیز موجوں کے اندر اتحادِ اسلامی کی کشتی کھیتے رہے۔ سنہ ۱۹۶۹ء میں رباط میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی۔ سنہ ۱۹۷۴ء میں لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ایک اسلامی سکرٹریٹ جدہ میں قائم کر دیا گیا اور اقتصادی، ثقافتی اور نشریاتی شعبوں کے اندر عالم اسلام کو متحد کرنے کا آغاز کر دیا۔

ہمہ گیر اتحاد فیصل شہید نے حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی کوششوں کے دوش بدوش ملی اور عوامی سطح پر بھی ایسے منصوبے شروع کر دیے جن کے ذریعے ملتِ اسلامی کے مختلف طبقات کے اندر ہم آہنگی پیدا کی۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق شاہ فیصل حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی تحریک کے دوران اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کی حکومتیں اُس وقت تک تعاون و یک رنگی قبول نہیں کریں گی جب تک مسلمان قوموں کے ذریعے ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے آخری ایام میں وہ بار بار تضامن حکومات (حکومتوں کے اتحاد) کے ساتھ ساتھ تضامن طبقات (مختلف گروہوں کے اتحاد) کا تذکرہ کرتے رہے۔ اور لاہور کی سربراہی کانفرنس کے بعد انہوں نے اپنی سرگرمیوں میں ایک نئی اور اثر انگیز تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ لاہور کی سربراہی کانفرنس سے جب وہ واپس گئے تھے تو بڑے دل برداشتہ تھے۔ اگر کوئی جذباتی انسان ہوتا تو وہ اپنے مشن پر فاتحہ پڑھ کر بیٹھ جاتا مگر فیصل اعصاب کے مضبوط، عزم کے دھنی اور ایمان کے کوہ گراں تھے۔ انہوں نے فوراً اپنے کام کا ایک نیا انداز، کامیاب و عمیق الاثر انداز اختیار کر لیا جو ان کے تدبر و بصیرت اور ایمان و اخلاص اور ملی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اسلامی دعوت کی تنظیم لاہور کی سربراہی کانفرنس سے واپس لوٹتے ہی انہوں نے رابطۂ عالم اسلامی مکہ کے زیر انتظام ۶ تا ۱۰۔ اپریل سنہ ۱۹۷۴ء دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں اور مذہبی رہنماؤں کی کانفرنس طلب کر لی۔ عہد حاضر کی اسلامی تاریخ میں یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی منفرد تھی۔ اس میں عالم اسلام اور افریقہ اور یورپ اور امریکہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جہاں کہیں اسلامی تحریکیں پائی جاتی ہیں ان کے نمائندوں کو جمع کر دیا گیا۔ اور ان کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا کہ وہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ، غیر اسلامی نظریات و تحریکات کے مقابلہ اور مسلمانوں کے سیاسی اور قومی مسائل کے حل کے لیے کس قدر متحدہ طور پر کوششیں سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہی وہ کانفرنس ہے جس نے پہلی مرتبہ عالمی پیمانہ پر فتنۂ قادیانیت کا جائزہ لیا اور وہ تاریخی فیصلہ صادر کیا جس کی رُو سے قادیانیوں کو ملّتِ اسلامیہ سے خارج اور مرتد گروہ قرار دے دیا گیا۔ راقم کا احساس یہ ہے کہ شاہ فیصل کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بھارتی جارحیت کو کامیاب بنانے میں قادیانیوں کو گہرا دخل ہے۔ وہ ۵-۶ سال سے قادیانیت کے خلاف آواز بلند کیے ہوئے تھے۔ سعودی مملکت میں ان کا داخلہ بند کر چکے تھے۔ مگر مشرقی پاکستان کے حادثہ کے بعد انہوں نے اسی قوت و اہمیت کے ساتھ اس مسئلہ کو لیا جس قوت و اہمیت کے ساتھ وہ صیہونیت کے خلاف صف آرا تھے۔ مذکورہ کانفرنس کے بعد سرکاری سطح پر انہوں نے اُن تمام ممالک کو فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جہاں قادیانیوں کے مراکز تھے مثلاً نائیجیریا، گھانا، جنوبی افریقہ، ماریشس اور یوگنڈا وغیرہ۔ راقم جنوری ۱۹۷۵ء کو ریاض میں تھا۔ وہاں وزیر عدل سے معلوم ہوا کہ شاہ فیصل کے خصوصی احکام کے تحت قادیانیت کو بے نقاب کرنے والا لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی بارہ مشہور زبانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس لٹریچر میں مولانا مودودی مدظلہ العالی کا ایک پمفلٹ "قادیانی مسئلہ" بھی ہے۔ شاہ شہید کا اس سلسلے میں تازہ پروگرام یہ تھا کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں کے اندر مسلمان اہلِ علم کے ایسے وفود بھیجنا چاہتے تھے جو قادیانی مبلّغین کے ساتھ علمی انداز میں گفتگو کریں اور ان کو باطل اور بے بنیاد ثابت کریں۔ تاکہ جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے قادیانیت کے فریب کا شکار ہیں اُن کی آنکھیں کھل جائیں۔ اور بھی اس طرح کے انہوں نے متعدد منصوبے تیار کر رکھے تھے۔

مذکورہ اسلامی کانفرنس کے ذریعہ شاہ فیصل نے نہ صرف اسلامی دعوت کے کام میں عالمی پیمانے پر ہم آہنگی پیدا کرنا شروع کر دی تھی بلکہ داعیانِ اسلام کو بھی باہم متعارف اور مربوط کیا جا رہا تھا۔ اور آئندہ وہ افریقہ اور یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر تبلیغی اداروں کو زیادہ سے زیادہ متحد و منظم کرنا چاہتے تھے۔

نوجوانوں کی عالمی سطح پر تنظیم

یہ تھی دعوت و تبلیغ کی سطح پر ملّی اتحاد کی کوشش۔ اب ایک اور ایسی کوشش دیکھیے۔ دنیا کے اندر اسلام کا غلغلہ ہر گوشے میں بپا ہو چکا ہے۔ اور اس کا سب سے خوش کن پہلو یہ ہے کہ عہدِ حاضر کی نئی نسل اسلام کی علمبردار بنتی جا رہی ہے۔ ٹرکی کے اندر نوجوان تاریخ کا دھارا بدل رہے ہیں۔ سوڈان کی خرطوم یونیورسٹی اور اُم درمان یونیورسٹی میں اسلام پسند نوجوانوں کی انتخابات میں کامیابی نئی نسل کے جدید رجحان کا پتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے رہی ہے۔ مصر کے اندر ہزاروں نوجوان سینماؤں اور تھیٹروں کا رخ کرنے کے بجائے مسجدوں کا رخ کر رہے ہیں۔ اور نئی مصری نسل کے اندر "العودۃ الی اللہ" (خدا کی طرف رجوع) کے نام سے ایک نئی لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ جن ملکوں کے اندر آمرانہ نظام قائم ہے وہاں بھی اندر ہی اندر نوجوان نسل اسلام کی خاطر پیچ و تاب کھا رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں کے حلقے دیارِ کفر میں اذانِ حق بلند کر رہے ہیں۔ خود پاکستان کی جامعات اور تعلیمی ادارے بھی "اسلامی انقلاب" کے نعروں سے لرز رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ ہوگا جہاں کے طلبہ اور نوجوانوں نے اسلام کا علم نہ اٹھا رکھا ہو۔ حالات بتا رہے ہیں کہ یہ نئی نسل دنیا کے اندر حالات پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ اب ضرورت یہ تھی کہ نوجوانوں کی اس نسل سے بے اعتنائی نہ برتی جائے۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور نوجوان جہاں کہیں بھی دعوتِ اسلامی کا کام کر رہے ہیں ان کو ایک مرکز سے وابستہ کر دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ بھی کریں اور باہم متعارف ہو کر ایک دوسرے کی کمی کو پورا بھی کریں۔ اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لیے سعودی حکومت کی طرف سے یوتھ کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک ریاض میں دو ایسی کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور تیسری کی تیاری ہو رہی تھی جو غالباً اسی سال کے آخر میں منعقد ہونے والی تھی۔ سعودی عرب کی وزارت تعلیم میں باقاعدہ یوتھ کانفرنس کا ایک دائمی سکرٹریٹ قائم کیا جا چکا ہے۔ جس کا سالِ رواں کا بجٹ دس لاکھ ریال (تقریباً ۲۸ لاکھ روپے) ہے۔ اسلام پسند نوجوانوں اور اسلام پسند دانشوروں کو وقتاً فوقتاً جمع کرنا اس دور میں اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔ خود سعودی عرب کا نوجوان بھی جب باہر سے آنے والے نوجوانوں سے ملتا ہے اور ان کو اسلام کا شیدائی پاتا ہے تو اس کے ذہن و فکر پر بھی اچھے نقش ثبت ہوتے ہیں۔ غالباً شاہ فیصل مرحوم یوتھ کانفرنسوں کے ذریعہ سعودی نوجوانوں کی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے جو سرمائے کے بل پر بگاڑ کا تیزی سے شکار ہوتے جا رہے تھے۔

علم و فن کے میدان میں دعوت اتحاد

اگر اسلام کو دورِ حاضر میں اہم کردار ادا کرنا ہے اور تہذیبِ مغرب کے زوال کے بعد امامتِ عالم کا فرض انجام دینا ہے تو اسلامی تحریکوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان سے الگ نہیں رہنا چاہیے اور اس سلسلے میں دو باتوں پر فوری توجہ دینی چاہیے۔ ایک سائنس کے جملہ شعبوں اور ٹیکنالوجی میں اپنے افراد تیار کرنے چاہئیں۔ اور دوسرے دشمن کے اس پروپگنڈے کا قلع قمع کرنا چاہیے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تضاد ہے۔ اسلام قانونِ شریعت ہے جو انسان کی اختیاری زندگی میں نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور سائنس قانونِ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کو بالفعل قائم کر رکھا ہے۔ دونوں قوانین کا ماخذ ایک ہی ہستی ہے۔ اس تصور کے تحت اگر انسانی زندگی کی تعمیر کی جائے گی تو وہ فساد و ہلاکت سے محفوظ رہ سکے گی۔ اسلامی تحریک کے سامنے یہ موضوع وقت کی نہایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہم ضرورت بن کر سامنے آرہا ہے۔ شاہ فیصل نے اپنے انداز میں اس موضوع پر جو توجہ دی تھی وہ بے شک حد درجہ تحسین وستائش کی مستحق تھی سعودی حکومت نے مارچ کے آخر میں (۲۹ مارچ تا ۲ اپریل ۱۹۷۵ء) ریاض یونیورسٹی کی طرف سے ایک کانفرنس طلب کر رکھی تھی جس کا عنوان تھا "سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اسلامی تعاون کی کانفرنس" اس کانفرنس میں مسلم سائنس دان اور مسلم ماہرینِ فن مدعو کر رکھے تھے اور اس میں یہ جائزہ لینا پیش نظر تھا کہ مسلمان ملکوں کے اندر ٹیکنالوجی کی تعلیم، سائنس کی تعلیم، اسلامی تاریخ میں سائنس کی تعلیم و ترقی، صنعت کے میدان میں مسلمان ممالک کی موجودہ حالت (بھاری صنعتیں اور ہلکی صنعتیں)، جنگی صنعت۔ امریکہ، مغربی یورپ اور مشرقی یورپ اور روس کے صنعتی تحقیقاتی ادارے اور عالم اسلام میں تحقیقات کے مراکز (علی الخصوص مصر، پاکستان، ایران، ترکی، انڈونیشیا اور الجزائر میں) کس حال میں ہیں۔ اور انجینئرنگ کے میدان میں تحقیق و تطبیق کی موجودہ کیفیت کیا ہے۔ الغرض یہ کانفرنس نہ صرف مسلمان سائنسدانوں اور ماہرینِ فن کو ایک جگہ جمع کر دینے کا ایک اچھا ذریعہ بن سکتی تھی بلکہ عالمِ اسلام کے علمی و صنعتی حالات کا جامع جائزہ لینے کا بھی ایک موقع فراہم کر سکتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسلام اور سائنس کا رشتہ بھی مضبوط ہوتا۔ کانفرنس کا افتتاح ۲۹ مارچ کی صبح کو شاہ فیصل مرحوم نے کرنا تھا۔ تیاریاں سر پہ تھیں کہ مرحوم کو پیغامِ اجل آپہنچا۔ (یہ کانفرنس اب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی ہے)۔ خدا کرے یہ کانفرنس شاہ کے موجودہ جانشینوں کے دور میں منعقد ہو جائے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں اور اسلامی تحریکوں کے لیے نہایت مفید خدمت ہوگی۔

معاشیات کے میدان میں مساعیٔ اتحاد مذکورہ بالا کانفرنس کے پائے کی ایک اور کانفرنس سعودی حکومت نے جدہ یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام مکہ معظمہ میں طلب کر رکھی تھی۔ یہ اسلامی اقتصادیات کی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ اس کے موضوعات بھی بڑے دلکش اور جامع ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ اقتصادی حالت، آمدنی کے وسائل و ذرائع، بین الاقوامی اقتصادیات کے ساتھ ان کے رشتے کی نوعیت، اسلام کا اقتصادی نظام، مسلمانوں کے اقتصادی نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے طریقے اور وسائل۔ اسی طرح بہت سی باتیں مسلمان ماہرینِ معاشیات اس کانفرنس میں پیش کرنے والے تھے۔ اس کانفرنس کی بدولت مسلمان ماہرین معاشیات باہم ملتے، سر جوڑ کر بیٹھتے اور یہ سوچتے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کیسے بہتر ہو۔ دولت مند مسلمان ممالک اپنے سرمائے کا صحیح استعمال کیسے کریں۔ مسلمانوں کو یہودیوں کے اقتصادی چنگل سے کیسے نجات دلائی جائے۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس (جو اب ملتوی کر دی گئی ہے) غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی اور مسلمان ماہرین معاشیات کو پہلی مرتبہ اونچی سطح سے اپنے اظہارِ خیال کا موقع مل رہا تھا۔ دونوں کانفرنسوں کے منتظمین اور شرکا کے ناموں پہ ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت الحمدللہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکمل نظام زندگی سمجھتے ہیں۔ مغربی تہذیب سے مرعوب نہیں ہیں۔ اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کو بھی اقتصادی کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے موصول ہوتے رہے ہیں۔

شاہ فیصل معاشی نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہے۔ سعودی عرب کی کرنسی ایجنسی کے گورنر مرحوم انور علی بتایا کرتے تھے کہ شاہ کئی بار ان سے اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ایسا موضوع ہے کہ اگر ماہرین معاشیات صحیح مشورہ نہ دیں تو بڑے سے بڑا دیدہ ور انسان بھی اُن کے آگے بے بس نظر آئے گا۔

طبقات، دوسائل کے استحاد کی اسکیم برابر جاری تھی۔ ڈاکٹروں اور انسانی امراض کے ماہرین پر مشتمل بھی ایک کانفرنس کی اسکیم شاہ مرحوم کے پیش نظر تھی۔ تاکہ صحت عامہ کے میدان میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس میدان کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ بنایا جائے۔ اور مغرب پر دارومدار کے بجائے مسلمان اطباء اور دواسازوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ شاہ کے مقربین سے ہم سنتے رہتے تھے کہ شاہ پاکستانی ڈاکٹروں پر بڑا اعتماد رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خصوصی معالج بھی پاکستانی رکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹروں کی تعلیم کے لیے شاہ فیصل سعودی نوجوانوں کو پاکستان بھیجتے تھے۔ یورپ اور امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم کا ہر شخص خواہشمند ہوتا ہے۔ مگر شاہ فیصل اس خیال سے کہ پاکستان کے اساتذہ ڈاکٹر بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اور خود پاکستان کا ماحول بھی سعودیوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے میں مدد دے گا سعودی نوجوانوں کو پاکستان ہی تعلیم کے لیے بھیجتے تھے۔

نشریات کے میدان میں شاہ کی شہادت سے ایک روز پیشتر (۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء) ریاض میں عالم اسلام کے نشریاتی اداروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اس میں ۲۳ مسلمان ملکوں کے نمائندے شریک تھے۔ نشریاتی میدان میں مسلمان ممالک دو حیثیتوں سے مار کھا رہے ہیں۔ ایک دنیا کی بین الاقوامی نیوز ایجنسیوں اور نشریاتی اداروں نے ان پر اپنا سحر طاری کر رکھا ہے اور وہ اپنی تصویر بھی دیکھنے کے لیے ان اداروں کے فراہم کردہ آئینہ کے محتاج ہوتے ہیں اور دوسرے مسلمان ممالک کے نشریاتی اداروں کے اندر ایسے عناصر گھسے ہوئے ہیں جن کی وفاداریاں اسلام اور ملت اسلامی کے ساتھ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ غیر اسلامی نظریات کے علمبردار اور بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ لوگ عالم اسلام کے اتحاد میں شدید رکاوٹ ہیں۔ دنیا کے اندر پروپیگنڈے کی جو اہمیت ہے اُس کے پیش نظر جب تک عالم اسلام کے نشریاتی ادارے اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوتے اور بیرونی عناصر سے پاک نہیں ہوتے، اور پورا عالم اسلام پروپیگنڈے میں یک آواز نہیں ہوتا اس وقت تک مسلمانوں کی وحدت تو کجا مسلمانوں کی سلامتی و بقا بھی خطرے میں ہے۔ نیز اگر ملت اسلامی کو نئے سرے سے اسلامی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے تو نشریاتی نظام کی اصلاح ایک ناگزیر امر ہے۔ اسی احساس کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ فیصل نے مسلمانوں کے نشریاتی اداروں کے اندر اصلاح اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مذکورہ کانفرنس اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی اور اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی اسے اسلامی نشریاتی کانفرنس کا نام دیا گیا۔ اس کانفرنس کے لیے جو خصوصی بیج تیار کیا گیا تھا وہ ایک گول دائرہ ہے۔ اس میں کرۂ ارض کے ایک گوشے میں خانہ کعبہ بنایا گیا ہے جس کے اوپر ریڈیائی لہریں بنی ہوتی ہیں۔ اس میں جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام کا محور بیت اللہ ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کے نشریاتی اداروں نے اس اہم کانفرنس کے متعلق اپنا صحیح رول ادا نہیں کیا۔

دعوتِ اسلامی کی عام اشاعت سعودی حکومت کے قابل ستائش کارناموں میں سے ایک رابطۂ عالمِ اسلامی کا قیام ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۶۳ء میں شاہ سعود مرحوم کے زمانے میں قائم ہوا تھا اور شاہ فیصل کے دور میں اسے بڑی وسعت دی گئی۔ رابطہ کی مجلسِ تاسیسی کے ارکان کی تعداد اب ۵۰ سے زائد ہے۔ اس میں تمام مسلمان ممالک اور متعدد مسلمان اقلیتوں کے نمائندے شریک ہیں۔ ہر سال ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے مسائل پر اظہارِ خیال ہوتا ہے۔ رابطہ کے ذریعے دنیا کے اندر اسلامی اداروں کی مالی مدد بھی کی جاتی ہے اور اشاعتِ اسلام کے نئے ادارے بھی قائم کیے جاتے ہیں مسلمان اقلیتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے تبلیغی وفود اطرافِ عالم میں بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے موقع پر اسلامی موضوعات پر تقریریں کروائی جاتی ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ گذشتہ حج (دسمبر ۱۹۷۵ء) کے موقع پر راقم کو رابطہ کے اس شعبے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں سے کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ سعودی حکومت نے اسلامی لٹریچر کا وسیع پیمانے پر "لنگر" جاری کر رکھا ہے۔ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے علاوہ دور دراز ملکوں کے اندر عام اسلامی لٹریچر روزانہ ٹنوں کے حساب سے دستی اور ڈاک کے ذریعے بانٹا جاتا ہے۔ اسٹور کے انچارج جناب رشید فارسی صاحب نے مجھے بتایا کہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور علم کی خدمت میں شاہ فیصل کا یہ حال ہے کہ جونہی ان کے علم میں کوئی مفید کتاب آجاتی ہے وہ چاہے کتنی گراں ہو فوراً اسے خرید کر اہلِ علم کو مفت پیش کرنے کا امر جاری کر دیتے ہیں۔ رشید فارسی صاحب نے مجھے نمونے کے طور پر دو کتابیں دکھائیں۔ ایک مزی کی تحفۃ الاشراف اور دوسری امام بغوی کی شرح السنۃ۔ اسلامی لٹریچر میں ان کتابوں کی کیا قدر و قیمت ہے۔ یہ اصحابِ ذوق ہی جانتے ہیں۔ دونوں کی ابھی پہلی پانچ جلدیں چھپی ہیں۔ اور نہایت گراں ہیں۔ شاہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہی انہیں خریدنے اور تقسیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے احکام جاری کر دیے۔ رابطہ عالم اسلامی، وزارت اوقاف، وزارت عدل اور دارالافتاء کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں کروڑوں روپے کی کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی تاریخ کے وہ علمی شاہکار جو ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے دور میں مدون کیے ہیں انہیں نئی زندگی بخشی جا رہی ہے۔

افریقہ کی خدمت

چند سال پیشتر شاہ فیصل نے افریقی ممالک کا طویل دورہ کیا تھا۔ اس دورے میں اُن کے جو رفقاء تھے انہوں نے بتایا کہ شاہ نے اس دورے میں تمام تکلفات ختم کر دیے۔ اور مسجدوں کے اندر جا جا کر عام مبلغین کی طرح وعظ کیے اور درس دیے۔ افریقہ کی دور دراز آبادیوں کے مسلمان ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ مسلمان حکمرانوں میں سے وہاں جانے کی کسی نے تکلیف گوارا نہیں کی۔ چنانچہ جب ان مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ والیِ حرمین اُن کے ملک میں آ رہا ہے تو وہ سڑکوں پر نکل آئے اور اپنی انتہائی خوشی اور بے انتہا بے بسی دونوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ شاہ اس صورتِ حال سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے تمام رکاوٹیں ہٹا کر عام افریقی مسلمان کو سینے سے لگایا۔

اس دورے سے واپسی کے بعد شاہ نے افریقی اُمور کو اپنی خصوصی توجہات کا ہدف بنا لیا اور ہر افریقی ملک کے اندر مسجدوں، مدرسوں اور مکتبوں کے قیام کو مہم کے طور پر شروع کر دیا۔ اور پھر سینکڑوں کی تعداد میں وہاں مبلغین بھیجے جو سعودی حکومت کے خرچ پر وہاں جا بجا اسلامی تبلیغ اور دین اسلام کی تدریس میں مشغول ہیں۔ اسلامی لٹریچر بھی بہت بڑی مقدار میں افریقہ بھیجا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نے افریقہ پر اپنے فیض کی بارش کر رکھی تھی۔ اور اس سے افریقہ کے اندر اسلامی بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔

ہمہ گیر سرپرستی

آپ یورپ اور امریکہ جائیں تو آپ جس شہر میں اُتریں آپ کوئی مسجد، کوئی اسلامی مرکز، کوئی مبلغ ضرور ایسا پائیں گے جو شاہ فیصل شہید کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہو گا۔ سعودی عرب میں روزانہ اکنافِ عالم سے وفود پہنچتے رہتے ہیں اور اسلامی منصوبوں کے لیے امداد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو اگر وہ فہرست دکھا دوں جس سے یہ معلوم ہو کہ کس طرح یہ شاہ شہید دنیا کے مقہور و مظلوم انسانوں کی دستگیری کرتا رہا، اَن پڑھ اور جاہل مسلمانوں میں علم پھیلاتا رہا، بستیوں اور شہروں کے اندر اسلامی تعلیم کا چرچا کرواتا رہا، جہاں سے اذان کی آواز نہ اُٹھتی تھی وہاں اذانیں بلند کرواتا رہا، آزادی کی تحریکوں کو شہ دیتا رہا، بیکسوں کی غمخواری، بے نواؤں کی ہمدردی اور یتیموں اور فقیروں کی دلجوئی کرتا رہا ہے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ شاہ فیصل سعودی عرب کا بادشاہ نہ تھا بلکہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مشفق باپ، وفادار دوست، مخلص سرپرست، مدبر رہنما،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمدل قائد، دردمند پیشوا اور لاوارثوں کا وارث تھا۔ اس کی حیثیت عالم اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک چھتری کی تھی۔ افسوس کہ یہ چھتری مسلمانوں سے چھین لی گئی۔ المدینہ اخبار کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں: "اے ابو عبداللہ (فیصل کی کنیت)، ہم تجھے رو رہے ہیں۔ اور تجھے روتے رہیں گے۔ ہم کیوں نہ روئیں۔ ہم سے رحمت وشفقت چھین گئی۔ ہم عزیمت وایمان کے پیکر کو گنوا بیٹھے۔ ہم کیوں نہ روئیں: کیا شیر خوار بچہ ماں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیا کلی پانی کے بغیر شاداب رہ سکتی ہے؟ کیا کشتی بغیر ملاح چل سکتی ہے؟ رو لے میری آنکھ رو۔

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

شاہ شہید جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو عالم عرب غیر اسلامی فتنوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ عرب قومیت نے نسل نو کو مسحور کر رکھا تھا، اور ناصر جیسا ہنگامہ آرا لیڈر اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ امریکہ کی پے درپے غلطیوں اور سازشوں کی وجہ سے سوشلزم اور کمیونزم کو ہوا مل رہی تھی۔ صہیونی تحریک پوری طرح سرگرم عمل تھی کہ اس کے مختلف ادارے بیروت کو اپنا مرکز بنا کر ہر جگہ اپنا جال بچھا رہے تھے۔ اسلام کے سوا ہر فتنہ کے لیے عربوں کے دروازے کھلے تھے۔ شاہ فیصل میدان میں اترے اور ان فتنوں کے خلاف ہمہ جہتی جنگ کی طرح ڈال دی۔ چنانچہ انہوں نے عرب قوم پرستی کے غبارے سے ہوا نکالی۔ اور یہ بتایا کہ عربوں کے اندر طبقاتی تقسیم پیدا کرنے والا، عربوں کے ہاتھوں عربوں کا خون بہانے والا (جیسا کہ شمالی یمن میں مصری فوجوں کے ہاتھ ہو رہا تھا)، عرب اقوام کو انقلابی اور غیر انقلابی گروہوں میں بانٹنے والا، عرب حکومتوں کے تختے اُلٹانے کی سازشیں کرنے والے (ناصر نے کہا تھا کہ بعض حکمرانوں کے سروں کی فصلیں پک چکی ہیں اور اب اُن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے)۔ فرعونی، سریانی، فینقی اور بابلی تہذیبوں کو فروغ دینے والا عرب اقوام کا حامی نہیں ہو سکتا۔ اشتراکیت پر بھی شاہ نے زبردست تنقید کی، اور علم وتحقیق کے ذرائع کام میں لاکر یہ ثابت کیا کہ اشتراکیت یہودیت کا دوسرا نام ہے اور اشتراکی نظریہ کی تخلیق کرنے والے، اور عرب ممالک کے اندر اشتراکیت کا نعرہ بلند کرنے والے یہودی اور نصرانی ہیں یا اُن کے وظیفہ خوار ہیں۔ اسرائیل اور صہیونی تحریک اور صہیونی عزائم کا بھی خوب پول کھولا۔ اس وقت عرب ممالک کے کتب خانے ایسے لٹریچر سے بھرے پڑے ہیں جس میں ان نظریات کی حقیقت علمی استدلال اور حقائق وواقعات کی روشنی میں واشگاف کی گئی ہے۔ اس پورے لٹریچر کے پیچھے شاہ فیصل کا سرمایہ اور منصوبہ کار فرما رہا ہے۔ چنانچہ شاہ فیصل کی شہادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اسرائیلی ریڈیو کا تبصرہ یہ تھا: "شاہ فیصل اسرائیل اور یہودی قوم کا شدید دشمن تھا (بحوالہ روزنامہ القبس، کویت ۲۶ مارچ ۱۹۷۵ء)

راقم کو معلوم ہوا ہے کہ شاہ فیصل کے جنازے پر یاسر عرفات بلک بلک کر رویا ہے۔ یاسر رونے میں حق بجانب ہے۔ اور شاید یاسر کا رونا جلدی بند نہ ہوگا۔ جن وجوہ کی بنا پر یاسر رویا ہے۔ وہ مجھے معلوم ہیں۔ اور میں بھی یاسر کے ساتھ رونے میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے یاسر سے ذاتی تعارف ہے۔ یہ مخلص انسان بلاشبہ آج اپنے آپ کو صحیح معنوں میں یتیم محسوس کرتا ہوگا۔ اب وہ اگر چراغِ رخِ زیبا لے کر بھی ڈھونڈے تو دنیا میں ایسا حکمران نہ پا سکے گا جو اسے یہ کہے گا کہ: "اخی یاسر! میرا پورا خزانہ تمہارے لیے وقف ہے۔ میں تمہارے وطن کی آزادی کے سلسلے میں کبھی سودا بازی نہ کروں گا اور نہ کرنے دوں گا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب گواہ ہے۔" یہ صدق و دیانت، وسعتِ قلب و نظر اور عزم و ایمان سے بھرپور تسلی یاسر عرفات کو اب بظاہر کہیں سے ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید تو نہ ہونا چاہیئے۔ اس نے فیصل پیدا کیا تھا تو وہ ایسے اور فیصل بھی پیدا کر سکتا ہے۔ لا تیئسوا من روح اللہ۔ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون۔

شاہ فیصل نے عربوں کو متحد کرنے کی تحریک چلائی جو نہ امریکہ کو پسند تھی اور نہ روس کو۔ انہوں نے پورے عالمِ اسلام کو متحد کرنے کا اعلان کیا اور عملی اقدامات بھی کیے۔ یہ نہ یہودیوں کو منظور تھا، نہ کمیونسٹوں کو اور نہ ہندوؤں کو۔ شاہ فیصل نے صہیونیت اور اشتراکیت دونوں کا تعاقب کیا۔ اس سے اسرائیل بھی مبتلائے قلق ہوا اور ماسکو بھی۔ شاہ فیصل نے ۱۹۷۳ء کی جنگ عرب و اسرائیل میں مصر و شام کو مال اور اسلحہ سے لاد دیا اور یوں اس جنگ کے ہیرو بن کر آگئے۔ یہ بات اعداء اسلام کو نہ ہضم ہو سکی۔ شاہ فیصل نے پٹرول کا ہتھیار استعمال کیا تو پوری مغربی دنیا کے ہوش اڑ گئے اور اسے معلوم ہو گیا کہ اسرائیل کی حمایت کس طرح اس کی زندگی دوبھر کر سکتی ہے۔ جب امریکی ڈپلومیسی (جسے درپردہ روس کی حمایت بھی حاصل تھی) مسئلۂ فلسطین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور "مرحلہ وار" حل کرنے کی کوشش کی (جو درحقیقت ایک سازش تھی) اور شاہ فیصل نے فوراً شام، اردن اور مصر کا دورہ کر کے ان ملکوں کو امریکی سازش سے چوکنا کیا تو کسینجر پیچ و تاب کھانے لگا۔ شاہ فیصل نے اعلان کیا کہ بیت المقدس اور دوسرے مقدس مقامات کی واگزاری کے لیے کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی اور وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھنے کے خواہشمند ہیں تو تحریک صہیونیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک زلزلے سے دوچار ہو گئی۔ اور آخر میں جب ۱۹ مارچ کو شاہ فیصل اور کسینجر کی ملاقات ہوئی تو گفت و شنید کے بعد شاہ فیصل نے کسینجر کو رسوائے زمانہ کتاب "یہودی سازش" کی ایک کاپی ہدیۃً پیش کی تو کسینجر نے یوں محسوس کیا جیسے شاہ فیصل نے اُس کے سر میں گولی مار دی ہو ـــــ اس پورے پس منظر کے بعد اگر شاہ فیصل کو سر میں گولی مار کر جامِ شہادت نوش کرا دیا گیا ہے تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
جان تو آنی جانی ہے جان کی کوئی بات نہیں

شاہ مرحوم پاکستان سے عشق رکھتے تھے۔ راقم کو اُن کے بزرگ چچا کے ذریعے سے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ پاکستان کے لیے کتنا درد رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جب پاکستان کو میدانِ جنگ میں کامیابیاں نصیب ہوئیں تو فیصل خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ صرف زبانی طور پر خوشی کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ اُنھوں نے پاکستان کی اخلاقی اور مالی اور عسکری امداد میں بھی دریغ نہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کا سقوط پیش آیا تو وہ بچوں کی طرح روئے۔ اور کئی راتیں انہیں چین نصیب نہ ہوا۔ اُن کے ایک قریبی دوست نے مزاحاً کہا کہ آپ تو پاکستان کے لیے اب تک رو رہے ہیں۔ مگر پاکستان میں تو شاید اب کوئی ذمہ دار شخص اس پر رونے والا نہ ملے گا۔ وہ کہنے لگے "اسی لیے مجھے زیادہ رونا آتا ہے"۔ مشرقی پاکستان کے سابق امیر جماعت اسلامی پروفیسر غلام اعظم نے حالیہ حج کے موقع پر اُن سے دریافت کیا کہ "آپ نے ابھی تک بنگلہ دیش کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟" تو شاہ نے جواب دیا کہ مجیب نے جس دستور کا اعلان کیا ہے اُس کی رُو سے بنگلہ دیش ایک سیکولر اشتراکی اور قومی ریاست ہے۔ اس لیے میں ایسی ریاست کو ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔ اور اسی وقت تسلیم کروں گا جب مجیب دستوری طور پر اعلان کرے گا کہ بنگلہ دیش اسلامی ریاست ہے۔ شاہ نے بتایا کہ ان پر بڑی بڑی طاقتوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے۔ لیکن یہ میرے عقیدہ و ایمان کا مسئلہ ہے۔ اور لادین ریاست کو تسلیم کرنا کفر کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اور میں کفر کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ مرحوم کے یہ الفاظ تھے: (لن اعترف بالکفر)۔ پاکستان کے موجودہ اندرونی خلفشار پر بھی مرحوم سخت دلگیر رہتے تھے۔ پاکستان کے لیے اُن کے خزانے کھلے تھے۔ نہ صرف آفات و مصائب کے وقت انہوں نے پاکستان کی مدد کی بلکہ ہر طرح سے پاکستان کو مضبوط بنانے کے آرزو مند تھے۔ مجھے ایک اہم سعودی شخصیت کے یہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ اُس نے گذشتہ جنوری میں مجھ سے کہا کہ "فیصل کو پاکستان سے (باقی بر صفحہ ۳۰۶)

© rasailojaraid.com